

امام ابو حنیفہ کا کارنامہ

— ابو الاعلیٰ مودودی —

(۲)

صحابہ کرام کے بارے میں | ”ہم صحابہ کا ذکر بھلائی کے سوا اور کسی طرح نہیں کرتے“

عقیدہ طحاویہ میں اس کی مزید تفصیل یہ ہے:

”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کو محبوب رکھتے ہیں، ان میں سے کسی کی محبت میں حد سے نہیں گزرتے اور نہ کسی سے بڑی کرتے ہیں۔ ان سے بغض رکھنے والے اور بُرائی کے ساتھ ان کا ذکر کرنے والے کو ہم ناپسند کرتے ہیں، اور ان کا ذکر بھلائی کے سوا کسی اور طرح نہیں کرتے۔“

اگرچہ صحابہ کی خاندانگی کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ نے اپنی رائے ظاہر کرنے سے دریغ نہیں کیا ہے، چنانچہ وہ صاف طور پر یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی جن لوگوں سے بھی جنگ ہوئی (اور ظاہر ہے کہ اس میں جنگِ جمل و صفین کے شرکاء شامل ہیں)، ان کے مقابلہ میں علیؓ زیادہ برسرِ حق تھے۔ لیکن وہ دوسرے فریق کو مطعون کرنے سے قطعاً پرہیز کرتے ہیں۔

۲۳۔ ملا علی قاری، ص ۸۷۔ المغنی ص ۲۶

۲۴۔ ابن ابی العز، ص ۳۹۸

۲۵۔ المکی، ج ۲، ص ۸۲، ۸۳۔ الکودری، ج ۲، ص ۷۲، ۷۱۔ یہ رائے بھی تنہا امام ابو حنیفہؓ کی نہ تھی بلکہ تمام

اہل سنت کے درمیان اس پر اتفاق ہو چکا تھا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ (ج ۲، ص ۵۰۲) میں بیان کیا ہے۔

تعریفِ ایمان | ”ایمان نام ہے اقرار اور تصدیق کا“

الوصیہ میں اس کی تشریح امام نے اس طرح کی ہے: ”ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا نام ہے۔“ پھر کہتے ہیں: ”نہ اقرار کیا ایمان ہے اور نہ محض معرفت ہی کو ایمان کہا جاسکتا ہے۔“ آگے چل کر اس کی مزید تشریح وہ اس طرح کرتے ہیں: ”عمل ایمان سے الگ ایک چیز ہے اور ایمان عمل سے الگ۔ اس کی پیل یہ ہے کہ بسا اوقات مومن سے عمل مرفوع ہو جاتا ہے مگر ایمان اس سے مرفوع نہیں ہوتا۔۔۔ مثلاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ فقیر پر زکوٰۃ واجب نہیں، مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس پر ایمان واجب نہیں۔“ اس طرح انہوں نے خراج کے اس خیال کی تردید کر دی کہ عمل ایمان کی حقیقت میں شامل ہے اور گناہ لازم عدم ایمان کا ہم معنی ہے۔ گناہ اور کفر کا فرق | ”ہم کسی مسلمان کو کسی گناہ کی بنا پر خواہ وہ کیسا ہی بڑا گناہ ہو، کافر نہیں قرار دیتے جب تک کہ وہ اس کے حلال ہونے کا قائل نہ ہو۔ ہم اس سے ایمان کا نام سلب نہیں کرتے بلکہ اسے حقیقتاً مومن قرار دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک مومن شخص فاسق ہو اور کافر نہ ہو۔“

الوصیہ میں امام اس مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں:

”امتی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ کا سب مومن ہیں، کافر نہیں ہیں۔“

عقیدہ طحاویہ میں اس کی مزید تشریح یہ ہے:

”بندہ خارج از ایمان نہیں ہوتا مگر موت اُس چیز کے انکار سے جس کے اقرار نے اسے داخل ایمان کیا تھا۔“

۲۵۶ ملا علی قاری، ص ۱۰۳۔ المغنی ص ۳۳

۲۵۷ ملا عین، الجوزہ المئینہ فی شرح وصیۃ الامام ابی حنیفہ، ص ۳، ۴، ۵۔ دائرۃ المعارف جید زبانی ۱۳۲۱ھ

۲۵۸ ملا علی قاری، ص ۸۶-۸۹۔ المغنی ص ۲۴-۲۸

۲۵۹ ملا حسین، ص ۶

۲۶۰ ابن ابی العز، ص ۲۶۵

اس عقیدے اور اس کے اجتماعی نتائج (SOCIAL CONSEQUENCES) پر پوری روشنی اُس منظر سے پڑتی ہے جو ایک مرتبہ خوارج اور امام ابوحنیفہ کے درمیان اسی مسئلے پر ہوا تھا۔ خارجیوں کی ایک بڑی جماعت ان کے پاس آئی اور کہا کہ مسجد کے دروازہ پر دو جنازے ہیں۔ ایک ایسے شہرانی کا ہے جو شراب پیتے پیتے مر گیا۔ دوسرا ایک عورت کا ہے جو زنا سے حاملہ ہوئی اور شرم کے مارے خودکشی کر کے مر گئی۔ امام نے پوچھا یہ دونوں کس ملت سے تھے؟ کیا یہودی تھے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پوچھا عیسائی تھے؟ کہا نہیں۔ پوچھا مجوسی تھے؟ وہ بولے نہیں۔ امام نے کہا پھر آخر وہ کس ملت سے تھے؟ انہوں نے جواب دیا اُس ملت سے جو کلمہ اسلام کی شہادت دیتی ہے۔ امام نے کہا تاویہ ایمان کا $\frac{1}{3}$ ہے یا $\frac{1}{2}$ یا $\frac{1}{4}$ ؟ وہ بولے کہ ایمان کا تہائی چوتھائی نہیں ہوتا۔ امام نے کہا اس کلمے کی شہادت کو آخر تم ایمان کا کتنا حصہ مانتے ہو؟ وہ بولے پورا ایمان۔ اس پر امام نے فوراً کہا جب تم خود انہیں مومن کہہ رہے ہو تو محمد سے کیا پوچھتے ہو؟ وہ کہنے لگے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ وہ دفرخی ہیں یا حنتی۔ امام نے جواب دیا اچھا اگر تم پوچھنا ہی چاہتے ہو تو میں ان کے بارے میں وہی کہتا ہوں جو اللہ کے نبی ابراہیم نے ان سے بذکر گناہ گاروں کے متعلق کہا تھا کہ ”خدا یا جو میری پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو آپ غفور رحیم ہیں“ ابراہیم آیت (۲۶)۔ اور جو اللہ کے ایک اور نبی عیسیٰ نے ان سے بھی زیادہ بڑے گناہ گاروں کے متعلق کہا تھا کہ ”اگر آپ انہیں عذاب دیں تو آپ کے بندے ہیں، معاف فرمادیں تو آپ زبردست اور دانا ہیں“ (المائدہ: ۶۱)۔ اور جو اللہ کے ایک تیسرے نبی نوحؑ نے کہا تھا کہ ”ان لوگوں کا حساب لینا تو میرے رب کا کام ہے، کاش تم سمجھو، اور میں مومنوں کو دھکارتے والا نہیں ہوں“ (الشعراء: ۱۱۳-۱۱۴)۔ اس جواب کو مومن کران خارجیوں کو اپنے خیال کی غلطی کا اعتراف کرنا پڑا۔

گناہ گار مومن کا انجام | ”ہم یہ نہیں کہتے کہ مومن کے لیے گناہ نقصان دہ نہیں ہے۔ اور ہم نہ یہ کہتے ہیں کہ مومن دوزخ میں نہیں جائے گا اور نہ یہی کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اگر وہ فاسق ہو۔“

”اور ہم مجتہد کی طرح یہ نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں ضرور مقبول اور ہماری بُرائیاں ضرور مرفوع ہو جائیں گی۔“

عقیدہ طحاویہ اس پر اثبات اضافہ اور کرتا ہے :

”ہم اہل قبلہ میں سے کسی کے نہ جنتی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں نہ دوزخی ہونے کا۔ اور نہ ہم ان پر کفر یا شرک یا منافقت کا حکم لگاتے ہیں جب تک کہ ان سے ایسی کسی بات کا عداً ظہور نہ ہو، اور ان کی نیتوں کا معاملہ ہم خدا پر چھوڑتے ہیں۔“

اس عقیدے کے نتائج | اس طرح امام نے شیعہ و خوارج اور مغزلہ و مجتہد کی انتہائی آراء کے درمیان ایک ایسا متوازن عقیدہ پیش کیا جو مسلم معاشرے کو انتشار اور باہمی تضادم و منافرت سے بھی بچاتا ہے اور اس کے افراد کو اخلاقی بے قیدی اور گناہوں پر جبارت سے بھی روکتا ہے۔ جس فتنے کے زلزلے میں امام نے عقیدہ اہل سنت کی یہ وضاحت پیش کی تھی، اس کی تاریخ کو نگاہ میں رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ان کا بڑا کارنامہ تھا جس سے انہوں نے امت کو راہِ اعتدال پر قائم رکھنے کی سعیِ بلیغ فرمائی تھی۔ اس عقیدے کے معنی یہ تھے کہ یہ امت اُس ابتدائی اسلامی معاشرے پر پورا اعتماد رکھتی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا۔ اُس معاشرے کے لوگوں نے جو فیصلے بالاتفاق یا اکثریت کے ساتھ کیے تھے، امت ان کو تسلیم کرتی ہے۔ جن اصحاب کو انہوں نے یکے بعد دیگرے خلیفہ منتخب کیا تھا، ان کی خلافت کو بھی اور ان کے زمانے کے فیصلوں کو بھی وہ ائمہی حیثیت سے درست مانتی ہے۔ اور شریعت کے اُس پورے علم کو بھی وہ قبول کرتی ہے جو اس معاشرے کے افراد یعنی صحابہ کرام کے ذریعہ سے بعد کی نسلوں کو ملا ہے۔ یہ عقیدہ اگرچہ امام ابوحنیفہؒ کا اپنا ایجاد کردہ نہ تھا بلکہ امت کا سوا و اعظم اس وقت بھی عقیدہ رکھتا تھا، مگر امام نے اسے تحریری شکل میں مرتب کر کے ایک بُری خدمت انجام دی کیونکہ اس سے عام مسلمانوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ تنقید گروہوں نے مقابلہ میں ان کا امتیازی مسلک کیا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کا سب سے بڑا کارنامہ جس نے انہیں اسلامی تاریخ میں لازوال عظمت عطا کی، یہ تھا کہ

۱۔ ملا علی قاری، ص ۹۳ - المغنی ص ۲۹

۲۔ ابن ابی العز، ص ۳۱۳

انہوں نے اُس عظیم خلا کو اپنے بل بوتے پر بھر دیا جو خلافتِ راشدہ کے بعد شوریٰ کا سدِ باب ہو جانے سے اسلام کے قانونی نظام میں واقع ہو چکا تھا۔ ہم اس کے اثرات و نتائج کی طرف پہلے اشارہ کر چکے ہیں ایک صدی کے قریب اس حالت پر گزر جانے سے جو نقصان رونما ہو رہا تھا اسے ہر صاحب فکر آدمی محسوس کر رہا تھا۔ ایک طرف مسلم ریاست کے حدود و سندھ سے اسپین تک پھیل چکے تھے بیسیوں قومیں اپنے الگ الگ تمدن، رسم و رواج اور حالات کے ساتھ اس میں شامل ہو چکی تھیں۔ اندرون ملک مالیات کے مسائل تجارت اور زراعت اور صنعت و حرفت کے مسائل، شادی بیاہ کے مسائل، دستوری اور دیوانی اور فوجداری قوانین و ضوابط کے مسائل روز بروز سامنے آ رہے تھے۔ بیرون ملک دنیا بھر کی قوموں سے اس عظیم ترین سلطنت کے تعلقات تھے اور ان میں جنگ، صلح، سفارتی روابط، تجارتی لین دین، بحری و بری مسافرت، کسٹم وغیرہ کے مسائل پیدا ہو رہے تھے۔ اور مسلمان چونکہ اپنا ایک مستقل نظریہ، اصولِ حیات اور بنیادی قانون رکھتے تھے، اس لیے ناگزیر تھا کہ وہ اپنے ہی نظامِ قانون کے تحت ان بے شمار نئے مسائل کو حل کریں۔ غرض ایک طرف وقت کا یہ زبردست چیلنج تھا جس سے اسلام کو سابقہ درپیش تھا۔ اور دوسری طرف حالت یہ تھی کہ کوئی ایسا مسلم آئینی ادارہ باقی نہ رہا تھا جس میں مسلمانوں کے مقصد علیہ اہل علم اور فقیہ اور مدبرین بطحہ کران مسائل کو سوچتے اور شریعت کے اصولوں کے مطابق ان کا ایک مستند حل پیش کرتے جو سلطنت کی عدالتوں اور اس کے سرکاری محکموں کے لیے قانون قرار پاتا اور پوری مملکت میں یکسانی کے ساتھ اس پر عمل کیا جاتا۔

اس نقصان کو خلفاء، گورنر، حکام اور قاضی سب محسوس کر رہے تھے، کیونکہ انفرادی اجتہاد اور معلومات کے بل پر روزمرہ پیش آنے والے اتنے مختلف مسائل کو بروقت حل کر لینا ہر مفتی، حاکم، جج اور ناظمِ محکمہ کے بس کا کام نہ تھا، اور اگر فرداً فرداً انہیں حل کیا بھی جاتا تھا تو اس سے بے شمار تضاد فیصلوں کا ایک جنگل پیدا ہو رہا تھا۔ مگر دشواری یہ تھی کہ ایسا ایک ادارہ حکومت ہی قائم کر سکتی تھی، اور حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جو خود جانتے تھے کہ مسلمانوں میں ان کا کوئی اخلاقی و قاروا اعتماد نہیں ہے، جن کے لیے فقہاء کا سامنا کرنا تو دیکر ر

ان کو برداشت کرنا بھی مشکل تھا، جن کے سخت بننے والے قوانین کسی حالت میں بھی مسلمانوں کے نزدیک اسلامی نظام قانون کا جز نہ بن سکتے تھے۔ ابن المقفع نے اپنے رسالہ الصحایہ میں اس خلا کو بھرنے کے لیے المنصور کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ خلیفہ اہل علم کی ایک کونسل بنائے جس میں ہر نقطہ نظر کے علماء پیش آمدہ مسائل پر اپنا اپنا علم اور خیال پیش کریں، پھر خلیفہ خود ہر مسئلے پر اپنا فیصلہ دے اور وہی قانون ہو لیکن منصور اپنی حقیقت سے اتنا بے خبر نہ تھا کہ یہ حماقت کرتا۔ اس کے فیصلے ابو بکرؓ اور عمرؓ کے فیصلے نہ بن سکتے تھے۔ اس کے فیصلوں کی عمر خود اس کی اپنی عمر سے زیادہ نہ ہو سکتی تھی بلکہ اس کی زندگی میں بھی یہ نفع نہ تھی کہ پوری مملکت میں کوئی ایک مسلمان ہی ایسا بل جلتے گا جو اس کے منظور کیے ہوئے قانون کی مخلصانہ پابندی کرے۔ وہ ایک لادینی قانون تو ہو سکتا تھا مگر اسلامی قانون کا ایک حصہ ہرگز نہ ہو سکتا تھا۔

اس صورت حال میں امام ابوحنیفہؒ کو ایک بالکل نرالا راستہ سوچنا اور وہ یہ تھا کہ وہ حکومت سے بے نیاز رہ کر خود ایک غیر سرکاری مجلس وضع قانون (PRIVATE LEGISLATURE) قائم کریں یہ تجویز ایک انتہائی بدیع الفکر آدمی ہی سوچ سکتا تھا، اور مزید برآں اس کی محبت صرف وہی شخص کر سکتا تھا جو اپنی قابلیت پر، اپنے کردار پر، اور اپنے کردار پر اور اپنے اخلاقی وقار پر اتنا اعتماد رکھتا ہو کہ اگر وہ ایسا کوئی ادارہ قائم کرے قوانین مدون کرے گا تو کسی سیاسی قوت نافذہ (POLITICAL SANCTION) کے بغیر اس کے مدون کردہ قوانین اپنی خوبی، اپنی صحت، اپنی مطابقت احوال، اور اپنے مدون کرنے والوں کے اخلاقی اثر کے بل پر خود نافذ ہوں گے، قوم خود ان کو قبول کرے گی اور سلطنتیں اپنے آپ ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گی۔ امام کوئی غیب دان نہ تھے کہ پیشگی اُن نتائج کو دیکھ لینے جو فی الواقع ان کے بعد نصف صدی کے اندر ہی برآمد ہو گئے مگر وہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو جانتے تھے، مسلمانوں کے اجتماعی مزاج سے واقف تھے، اور وقت کے حالات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک کمال درجہ کے دانا و دور اندیش انسان کی حیثیت سے بالکل صحیح اندازہ کر لیا کہ وہ اس خلا کو اپنی نجی حیثیت سے بھر سکتے ہیں اور ان کے بھرنے سے یہ خلا

واقعی بھر جائے گا۔

اس مجلس کے شرکاء امام کے اپنے شاگرد تھے جن کو ساہا سالی تک انہوں نے اپنے مدرسہ قانون میں باقاعدہ قانونی مسائل پر سوچنے، علمی طرز پر تحقیقات کرنے اور ولالہ سے نتائج مستنبط کرنے کی تربیت دی تھی۔ ان میں سے قریب قریب ہر شخص امام کے علاوہ وقت کے دوسرے بڑے بڑے اساتذہ سے بھی قرآن، حدیث، فقہ اور دوسرے مددگار علوم، مثلاً لغت، نحو، ادب اور تاریخ و سیر کی تعلیم حاصل کر چکا تھا۔ مختلف شاگرد مختلف علوم کے اختصاصی ماہر سمجھے جاتے تھے، مثلاً کسی کو قیاس و رائے میں نمایاں مقام حاصل تھا کسی کے پاس احادیث اور صحابہ کے فتاویٰ اور پچھلے خلفاء و قضاة کے نظائر کی وسیع معلومات تھیں، اور کوئی علم فقہیہ یا قانون کے کسی خاص شعبے، یا لغت اور نحو یا معناری کے علم میں اختصاص رکھتا تھا۔ ایک دفعہ امام نے خود اپنی ایک گفتگو میں بتایا کہ یہ کس مرتبے کے لوگ تھے:

”یہ ۳۶ آدمی ہیں جن میں سے ۲۸ قاضی ہونے کے لائق ہیں، ۶ فتویٰ دینے کی

اہلیت رکھتے ہیں، اور دو اس درجے کے آدمی ہیں کہ قاضی اور مفتی تیار کر سکتے ہیں۔“

اس مجلس کا طریق کار جو امام کے معتبر سوانح نگاروں نے لکھا ہے وہ ہم خود انہی کے الفاظ میں یہاں نقل کرتے ہیں۔ الموفق بن احمد المکی دم ۵۶۸ھ - ۶۱۱ھ لکھتا ہے:

”ابوحنیفہؒ نے اپنا مذہب ان کے (یعنی اپنے) فاضل شاگردوں کے مشورے سے مرتب

کیا ہے۔ وہ اپنی حد و وسع تک دین کی خاطر زیادہ سے زیادہ جانفشانی کرنے کا جو جذبہ رکھتے

تھے اور خدا و رسول خدا اور اہل ایمان کے لیے جو کمال و درجہ کا اخلاص ان کے دل میں تھا اس

کی وجہ سے انہوں نے شاگردوں کو چھوڑ کر یہ کام محض اپنی انفرادی رائے سے کر ڈالنا پسند نہ

کیا۔ وہ ایک ایک مسئلہ ان کے سامنے پیش کرتے تھے، اس کے مختلف پہلو ان کے سامنے

لاتے تھے، جو کچھ ان کے پاس علم اور خیال ہوتا اسے سنتے اور اپنی رائے بھی بیان کرتے تھے

کہ بعض اوقات ایک ایک مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مہینہ مہینہ بھر اور اس سے بھی زیادہ

لگ جاتا تھا۔ آخر جب ایک راتے قرار پا جاتی تو اسے قاضی ابویوسف کتب اصول میں ثبت کرتے تھے۔

ابن البرکات المکروزی (صاحب فتاویٰ بزازیم ۸۲۷ھ - ۸۴۲ھ) کا بیان ہے :
 ”ان کے شاگرد ایک مسئلے پر خوب دل کھول کر بحث کرتے اور ہر فن کے نقطہ نظر سے گفتگو کرتے۔ اس دوران میں امام خاموشی کے ساتھ ان کی تقریریں سننے رہتے تھے پھر جب امام زیر بحث مسئلے پر اپنی تقریر شروع کرتے تو مجلس میں ایسا سکوت ہوتا جیسے یہاں ان کے سوا کوئی اور نہیں بیٹھا ہے۔“

عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اس مجلس میں تین دن تک مسلسل ایک مسئلے پر بحث ہوتی رہی تیسرے دن شام کے وقت میں نے جب اللہ اکبر کی آوازیں سنیں تو تہیلا کہ اس بحث کا فیصلہ ہو گیا۔ امام کے ایک اور شاگرد ابو عبداللہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس میں امام ابوحنیفہ اپنی جو رائیں ظاہر کرتے تھے انہیں بعد میں وہ پڑھوا کر سنایا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے پیشہ الفاظ یہ ہیں :

”میں امام کے اقوال ان کو پڑھ کر سنا تا تھا۔ ابویوسف مجلس کے فیصلے ثبت کرتے ہوئے (ساتھ ساتھ اپنے اقوال بھی درج کر دیا کرتے تھے۔ اس لیے پڑھتے وقت میں کوشش کرتا تھا کہ ان کے اقوال چھوڑتا جاؤں اور صرف امام کے اپنے اقوال انہیں سناؤں۔ ایک روز میں چوک گیا اور دوسرا قول بھی میں نے پڑھ دیا۔ امام نے پوچھا یہ دوسرا قول کس کا ہے؟“

۳۶ المکی ج ۲، ص ۱۳۳

۳۷ المکروزی ج ۲، ص ۱۰۸

۳۸ المکی ج ۲، ص ۵۴

۳۹ المکروزی ج ۲، ص ۱۰۹

اس کے ساتھ الکی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس کے جو فیصلے لکھے جاتے تھے ان کو الگ الگ عنوانات کے تحت کتابوں اور ابواب میں مرتب بھی امام ابوحنیفہؒ ہی کی زندگی میں کر دیا گیا تھا :

” ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس شریعت کے علم کو مدون کیا۔ ان سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا تھا۔۔۔۔۔ ابوحنیفہ نے اس کو کتابوں اور جدا جدا عنوانات کے تحت ابواب کی شکل میں مرتب کر دیا تھا۔“

اس مجلس میں، جیسا کہ ہم پہلے الکی ہی کے حوالہ سے بتا چکے ہیں، ۸۳ ہزار قانونی مسائل طے کیے گئے تھے۔ اس میں صرف وہی مسائل زیر بحث نہیں آتے تھے جو اس وقت تک عملاً لوگوں کو دیا ریاست کو پیش آچکے تھے، بلکہ معاملات کی امکانی صورتیں فرض کر کے ان پر بھی بحث کی جاتی اور ان کا حل تلاش کیا جاتا تھا، تاکہ آئندہ اگر کبھی کوئی نئی صورت پیش آجائے جواب تک نہ پیش آئی ہو تو قانون میں پہلے سے اس کا حل موجود ہو۔ یہ مسائل قریب قریب ہر شعبہ قانون سے متعلق تھے۔ بین الاقوامی قانون (جس کے لیے السیر کی اصطلاح مستعمل تھی)، دستوری قانون، دیوانی و فوجداری قانون، قانون شہادت، ضابطہ عدالت، معاشی زندگی کے ہر شعبے کے الگ قوانین، طلاق و طلاق

نہ الکی، ج ۲، ص ۱۳۶

الکھ موجودہ زمانے کے لوگ اس غلط فہمی میں ہیں کہ بین الاقوامی قانون ایک جدید چیز ہے اور پہلا شخص جس نے اس شعبہ قانون کی بنیاد ڈالی ہالینڈ کا گروٹیس (GROTIUS ۱۵۸۳-۱۶۴۵) ہے۔ لیکن جس شخص نے بھی امام ابوحنیفہ کے شاگرد محمد بن حسن الشیبانی (۱۸۹-۳۲۱ھ - ۸۰۵-۶۷۹ء) کی کتاب السیر دیکھی ہے وہ جانتا ہے کہ گروٹیس سے نو سو برس پہلے یہ علم امام ابوحنیفہ کے ہاتھوں بڑی تفصیل کے ساتھ مدون ہو چکا تھا اور اس میں بین الاقوامی قانون کے اکثر گوشوں پر اور اس کے بڑے بڑے نازک مسائل پر بحث کی گئی تھی۔ حال میں اس حقیقت کو اہل علم کے ایک گروہ نے تسلیم بھی کیا ہے اور جرمنی میں شیبانی سوسائٹی آف انٹرنیشنل لا قائم کی گئی ہے۔

اور وراثت وغیرہ شخصی احوال کے قوانین، اور عبادات کے احکام، یہ سب عنوانات ہم کو ان کتابوں کی فہرستوں میں ملتے ہیں جو اس مجلس کے فراہم کردہ مواد سے امام ابو یوسفؒ نے اور پھر امام محمد بن حسن الشیبانیؒ نے بعد میں مرتب کیں۔

اس باقاعدہ تدوین قانون کا اثر یہ ہوا کہ انفرادی طور پر کام کرنے والے مجتہدوں، مفتیوں اور قاضیوں کا کام ساقط الاعتبار رہتا چلا گیا۔ قرآن و حدیث کے احکام اور سابقہ فیصلوں اور فتاویٰ کے نظائر کی چھان بین کر کے اہل علم کی ایک مجلس نے ابو حنیفہؒ جیسے مکمل رس آدی کی عداوت و دشمنی میں شریعت کے جو احکام متفقہ صورت میں نکال کر رکھ دیئے تھے، اور پھر اصول شریعت کے تحت وسیع پیمانے پر اجتہاد کر کے زندگی کے ہر پہلو میں پیش آنے والی امکانی ضرورتوں کے لیے جو قابل عمل قوانین مرتب کر دیئے تھے، ان کے بعد متفرق افراد کے مدون کیے ہوئے احکام مثلاً ہی سے ذبیح ہو سکتے تھے۔ اس لیے جوہری یہ کام منظر عام پر آیا عوام اور حکام اور قضاة، سب اس کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو گئے، کیونکہ یہ وقت کی مانگ تھی اور لوگ مدت سے اسی چیز کے حاحق تھے۔ چنانچہ مشہور فقیہ یحییٰ بن آدم دم ۲۰۳ھ - ۸۱۸ء کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کے اقوال کے آگے دوسرے فقہاء کے اقوال کا بازار سرد پڑ گیا، انہی کا علم مختلف علاقوں میں پھیل گیا، اسی پر خلفاء اور ائمہ اور حکام فیصلے کرنے لگے اور معاملات کا حل اسی پر ہو گیا۔ حنیفہ نامون (۲۱۸-۱۹۸ھ - ۳۳-۸۱۳ء) کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے یہ حالت ہو گئی کہ ایک دفعہ وزیر اعظم فضل بن سہل کو ابو حنیفہؒ کے ایک مخالف فقیہ نے مشورہ دیا کہ حنفی فقہ کا استعمال بند کر کے احکام جاری کر دیئے جائیں۔ وزیر اعظم نے باخبر اور معاملہ فہم لوگوں کو بلا کر اس معاملے میں رائے لی۔ انہوں نے بالاتفاق کہا کہ یہ بات نہیں چلے گی اور سارا ملک آپ لوگوں پر ٹوٹ پڑے گا جس شخص نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے وہ ناقص العقل ہے۔ وزیر نے کہا، میں خود بھی اس خیال سے متفق نہیں ہوں اور میرے المؤمنین بھی اس پر راضی نہ ہوں گے۔

۱۲۷۱ھ المکی، ج ۲، ص ۴۱

۱۲۷۲ھ المکی، ج ۲، ص ۱۵۷-۱۵۸ - انگریزی، ج ۲، ص ۱۰۶-۱۰۷

اس طرح تاریخ کا یہ اہم واقعہ رونما ہوا کہ ایک شخص واحد کی قائم کی ہوئی نئی مجلس وضع قوانین کا مرتب کیا ہوا قانون محض اپنے اوصاف اور اپنے مرتب کرنے والوں کی اخلاقی ساکھ کے بل پر ملکوں اور سلطنتوں کا قانون بن کر رہا۔ اس کے ساتھ دوسرا اہم نتیجہ اس کا یہ بھی ہوا کہ اس نے مسلم معاصرین قانون کے لیے اسلامی قوانین کی تدوین کا ایک نیا راستہ کھول دیا بعد میں جتنے دوسرے بڑے بڑے فقہی نظام بنے وہ اپنے طرز اجتہاد اور نتائج اجتہاد میں چلے اس سے مختلف ہوں، مگر ان کے لیے نمونہ بھی تھا جسے سامنے رکھ کر ان کی تعمیر کی گئی۔

نوٹ: اس سلسلہ مضامین کا ایک باب ”خلافت اور اس کے متعلقہ مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک“ اگست و ستمبر ۶۳ء کے ترجمان القرآن میں شائع ہو چکا ہے،
